

WOOD BROOKE SERIES

# WHAT IS FAITH IN GOD?

BY PROF. LOOTFY LEVONIAN



# خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟

مترجمہ

پادری ایس ایس طالب الدین صاحب بی اے





پنجاب رلیجس بک سوسائٹی
انارکلی
لاہور

# خُدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟

مذہب کے اہم ترین اُصولوں میں سے ایک، خُدا پر ایمان رکھنے کا مسئلہ ہے۔ تصورِ خُدا کے متعلق اُس کی ہستی یا اُس کی وحدت کا مسئلہ اِس قدر اہم نہیں کیونکہ خُدا موجود ہے اور خُدا کی ہستی کا انکار کرنا ایک قسم کا استدلالِ باطل ہے اور ایک سے زیادہ معبودوں کا اقرار کرنا جہالت ہے۔ ہر ایک شخص جو عقلِ سلیم رکھتا ہے خُدا کی ہستی کا اعتراف کرتا اور اُس کی وحدت کو تسلیم کرتا ہے۔ اِس وجہ سے یہ نہایت ہی بُنیادی اور عملی سوال پیدا ہوتا ہے کہ خُدا کے متعلق ایمان رکھنا کیا ہے؟ خُدا موجود ہے اور وہ واحد ہے لیکن خُدا پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فقط لبوں سے اِس حقیقت کا اقرار کیا جائے یا اِس سے کُچھ اور بھی مقصود ہے؟

ہم یہاں اسی اہم سوال کا ذکر کیا چاہتے ہیں۔ آیئے ہم پہلے اس امر پر غور کریں کہ ایمان کی ماہیت کیا ہے۔ شاید اگر ہم اس کا جواب مثال کے ذریعے دیں تو بہتر ہوگا۔ مثلاً مدرسہ میں مَیں اپنے اُستاد کی زبانی افریقہ کے کسی پہاڑ کا نام سُنتا ہوں اور مَیں نقشہ پر اُس کی جائے وقوع بھی معلوم کر

لیتا ہوں ۔ بلکہ اُس کی بلندی کا بھی صحیح اندازہ ہو جاتا ہے ۔ اور یہ بھی کہ قدرت نے اُس کی ساخت میں کن معدنیات کو شامل کیا ہے اور اُس میں کون کون سے حیوانات اور انواع و اقسام کے پودوں کی نسبت بھی سب کچھ سیکھ لیتا ہوں ۔ لیکن اِس کے متعلق مفصل معلومات مہیا کر لیتا ہوں اور اُن سب باتوں کا یقین کر لیتا ہوں ۔ یہ ایک قسم کا ایمان ہے ۔ لیکن اِس ایمان میں کوئی شے ایسی نہیں جو میری زندگی یا میری ذات سے وابستہ ہو ۔ ممکن ہے کہ جو باتیں میں نے سُنیں اور سیکھیں وہ درست ہوں یا نہ ہوں اِس سے مجھے کچھ واسطہ نہیں خواہ وہ علم درست ہو یا نہ ہو اس کا میری زندگی سے مطلق تعلق نہیں ۔ یقیناً خدا کے متعلق ایمان ایسا نہیں ۔

مذہب ایک الٰہی طاقت ہے جو ہماری شخصیت اور ہماری زندگی کے تمام اجزا پر حاوی ہے لہٰذا خدا پر ایمان رکھنا ایماندار کے لئے ایک بنیادی حقیقت ہے جو اُس کی ذات بلکہ اُس کی زندگی کی تمام حرکات و سکنات پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ خدا پر ایمان رکھنا اپنی زندگی کو تمام حال اور مستقبل کے لئے خدا کے خوشی خوشی سے حوالہ کر دینا ہے ۔ ہم اس مسئلہ کو ایک اور مثال کے ذریعہ سے واضح طور پر بیان کرتے ہیں ۔

فرض کیجئے کہ میں نے ایک سوئٹزرلینڈ کے کسی عمدہ شفاخانہ اور اُس کے کسی طبیب حاذق کی نسبت سُنا ہے ۔ شاید اس کا علم مجھ کو کسی دوست کے ذریعہ سے حاصل ہوا یا کسی اخبار یا کتاب کے ذریعہ سے ۔ لیکن اگر وہ شفاخانہ یا طبیب فی الحقیقت موجود ہو یا نہ ہو اور شفاخانہ اور طبیب کی نسبت میرا علم صحیح ہو یا نہ ہو اس سے مجھ کو فی الحال کچھ سروکار نہیں ۔ میری زندگی یا میری ذات پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا ۔ لیکن شاید کسی روز



میں کسی مرض میں مبتلا ہو جاؤں اور میرا مرض بڑھتا بڑھتا بد سے بدتر ہوتا جائے یہاں تک کہ میری صحت خطرہ میں ہو اور میں اپنے بستر سے لگ جاؤں اور میرے احباب و اقربا مجھے یہ صلاح دیں کہ میں اُس شفاخانہ میں جا کر اُس طبیب سے اپنا علاج و معالجہ کرواؤں تو پھر اُس وقت سے لے کر سوئٹزرلینڈ کے اُس شفاخانہ کے وجود کی اہمیت میری زندگی کے لئے بڑھ جائے گی ۔ میں اُس شفاخانہ میں جاتا ہوں اور اپنے آپ کو اُس طبیب کے سپرد کر دیتا ہوں اور اُس شفاخانہ کے تمام احکام کی تعمیل میرا ذاتی فرض بن جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ میں جراحی کی میز پر دراز ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ کو وہاں کے کارگزاروں کے سپرد کر دیتا ہوں اور اُس طبیب کی حکمت اور شفاخانہ کے دیگر کارندوں کی مہربانی پر کامل بھروسہ و تکیہ کرتا ہوں ۔ یہ بھی ایمان ہے ۔ لیکن اس ایمان کا میری زندگی اور میری ذات سے بہت نزدیکی تعلق ہے ۔ خدا پر ایمان بھی اسی قسم کا ہے ۔ زندگی کی مشکلات اور مصائب کے وقت خدا میں پناہ گزین ہونا جو رحیم و کریم ہے اور اُس کی ذاتِ الٰہی پر بھروسہ کرنا اور سب کچھ اُس کے حوالہ کر دینا یہی ایمان ہے ۔ فقط لبوں سے اُس کی ہستی کا اقرار کرنا کافی نہیں ۔ بلکہ یہ لازم ہے کہ ہم زبانی اور عملی طور پر اس کا یقین کریں ۔ ایک اور مثال لیجئے ۔

میں ایک شریف خاندان کا لڑکا ہوں میں اپنے والدین کی محبت پر بھروسہ کرتے ہوئے خوشی کی زندگی بسر کرتا ہوں میں اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کامل طور پر کرتا ہوں ۔ ایک دن میرے بُرے دوستوں کی صحبت کا اثر مجھ پر پڑتا ہے میں اپنے والد سے پوشیدہ بدی کی پیروی کرتا ہوں ۔ آخر کار میں مفلسی اور تنگدستی کی حالت کو پہنچ جاتا ہوں یہاں تک کہ

نہ تو میری جیب میں کوڑی ہے اور نہ ہی میرے جسم میں طاقت باقی رہتی ہے۔ میں اپنی حالتِ زار پر جو میری خود پیدا کردہ ہے افسوس کرتا ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میرے بہت سے متموّل دوست ہیں لیکن اُن سے مجھ کو کچھ اُمید نہیں۔ آخر کار میں اپنے باپ کو یاد کرتا ہوں اور اس خیال سے مجھ پر ایک عجیب قسم کا اثر ہوتا ہے۔ میں اپنے ہوش و حواس کو قائم کر کے اپنے باپ کے مکان پر جا دستک دیتا ہوں اور اپنے آپ کو اپنے باپ کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں اور اپنا سب حال اُس کو سناتا ہوں۔ اُس سے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں۔ میں اپنی بدکاریوں کا اقرار کرتا اور اپنے آپ کو اُس کے رحم پر چھوڑ دیتا ہوں۔ میرے باپ کو مجھ پر رحم آتا ہے۔ وہ سب کچھ جو میں نے کیا فوراً بھول جاتا۔ مجھ کو اپنے گلے سے لگا لیتا ہے۔ خوراک اور پوشاک مہیا کرتا ہے۔ مجھے معاف کرتا اور پھر بحال کر دیتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ایمان ہے یعنی ایک مشفق باپ کی محبت پر ایمان رکھنا۔ یہ باپ کی شفقت اور اُس کی صداقت کا یقین کرنا اور اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دینا ہے۔ ایمان خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اُس کی محبت اور وفاداری پر بھروسہ کرنا ہے۔ ایمان خدا کی ذات اور ہماری ذات کے درمیان ایک رشتۂ صادق ہے۔ ایمان خدا کی نسبت علم رکھنا نہیں بلکہ اُس کی ذات پر تکیہ کرنا اور اُس کی محبت اور پاکیزگی پر یقین کرنا ہے۔ ایمان توکّل بر خدا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ مجھے کسی شخص کے نام۔ اُس کی عمر اور اُس کی حالت اُس کے کاروبار کی نسبت علم ہو۔ شاید دن میں کئی مرتبہ ہم ایک دوسرے سے دوچار ہوتے ہیں اور سلام و دعا کی ظاہری رسوم بجا لاتے ہیں۔ بلکہ گاہے



گاہے ہم ایک دوسرے سے خیر و عافیت بھی دریافت کرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام ظاہری باتوں کے میں اپنے ہمسایہ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ نہ تو میں اُس کی بات کا یقین کرتا ہوں اور نہ ہی اُس کے خیالات کی کچھ قدر و وقعت کرتا ہوں بلکہ میں اُس کا دو کوڑی کا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ لیکن کیا اس طور سے ہمارے درمیان شخصی تعلقات ممکن ہو سکتے ہیں؟ دو شخصوں کے درمیان رشتہ و تعلق فقط اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ پہلے دوستی ہو اور دوستی محض باہمی اعتبار و خلوصِ نیت کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ خدا کے ساتھ بھی ہمارا رشتہ ایسا ہی ہے۔ شاید ہم خدا کی نسبت بہت کچھ جانتے ہیں۔ شاید ہم مذہب کے اُن اہم ترین رازوں سے واقف ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہوتے ہیں اور شاید ہم خدا کی ذاتِ الٰہی کے متعلق نہایت پیچیدہ اور مشکل مسائل حل کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم اپنے دل سے خدا پر بھروسہ نہیں کرتے اور اُس کی تعظیم و تکریم دلی طور سے نہیں کرتے تو پھر ہمارے اس علم سے کیا فائدہ؟ اس صورت میں خدا اور ہمارے درمیان کوئی نزدیکی تعلق نہیں ہو سکتا۔ خدا پر ایمان رکھنا الٰہیات سے واقف ہونا نہیں بلکہ صدقِ دل سے اُس پر اعتماد رکھنا اور تکیہ کرنا ہے۔

مذہبی بحث میں یہ مسئلہ ایک اور نقطۂ نگاہ سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ مذہب کی چند ایک شرائط ہیں۔ مثلاً متدین لوگ خدا کے احکام کی تعمیل کرتے اور اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں یعنی روزہ رکھتے اور خیرات دیتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ یہ سب کچھ ضروری اور اچھا ہے لیکن یہ ایمان کے نعم البدل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی یہ خدا کے متعلق ہمارے ایمان کی قدر و قیمت میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو

ان شرائط و فرائض کو بجا لاتے ہیں عموماً ایمان دار تصوّر کئے جاتے ہیں خواہ کسی شخص کی زندگی اور اُس کی رفتار و گفتار کیسی ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر وُہ اپنی نماز اور عبادات اور ریاضت کو بجا لاتا ہے تو اُس کا ایمان مضبوط اور کامل سمجھا جاتا ہے۔ اکثر لوگ ایک دُوسرے کی نسبت ایسے سوال کرتے ہیں کیا وُہ اپنے مذہبی فرائض کو پُورا کرتا اور عبادت و بندگی کرتا ہے؟ کیا وُہ مذہبی پیشوا کی عزت و تکریم کرتا ہے؟ فقط انہی باتوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کوئی شخص خواہ بد دیانت ہو خواہ وُہ حریص و لالچی ہو یا اپنے ہمسایہ پر ظلم کرتا ہو تو بھی لوگ اُس بدی کی مطلق پروا نہیں کرتے جس میں اُس کی زندگی گرفتار ہے بلکہ ظاہرا رسوم کی عزت کرنا اُس کے ایمان کی صداقت اور کاملیت کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال گناہ اور اخلاق کے صحیح نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ گویا کہ خُدا اور ہمارا باہمی رشتہ قرض خواہ اور قرضدار کا سا رشتہ ہے یعنی اعمال بد تو ہمارا قرض ہے اور ہمارے اعمال حسنہ ہمارے قرض کی ادائیگی۔ پس جب ہم غلطی کرتے اور بے انصافی کے مرتکب ہوتے ہیں تو ہم نقصان اٹھاتے ہیں لیکن اگر ہم متواتر دعائیں مانگتے رہیں تو ہم اپنے سرمایہ میں اضافہ کر جاتے ہیں۔

یہ خیال فقط اس بات کا نتیجہ ہے کہ ہم خُدا اور اپنے تعلق کو گویا کہ نکتۂ خیال سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح خُدا کے ساتھ ہمارا تعلق ایسا ہو گیا جیسا کہ ہمارا اور کسی مہاجن کا باہمی رشتہ ہو۔ مہاجن تو ہم پر ایک قسم کا حق سودا سا ہے۔ ہمارے نیک اعمال ہمارے قرض کے عوض ہمارے حق میں شمار کئے جاتے ہیں۔

خُدا کے ساتھ ایسا رشتہ و تعلق نہیں ہو سکتا اور شخصیتوں کے



درمیان تعلقات اس بنا پر قائم نہیں کئے جا سکتے۔ خواہ ہم کسی دوست کی کتنی ہی عزت کیوں نہ کریں۔ لیکن اگر ہم اُس پر اعتبار نہیں کرتے تو ہماری دوستی برقرار نہیں رہ سکتی۔ یا تو ہم کسی شخص پر اعتبار کرتے ہیں۔ اگر ہم اس پر اعتبار کرتے ہیں تو ہمارا باہمی تعلق قائم رہیگا ورنہ ہمارے تعلق کے قائم رہنے کی امید نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص جس کو ہم اپنا ذاتی دوست خیال کرتے تھے ہم پر یہ ظاہر کر دے کہ وُہ ہم پر اعتبار نہیں کرتا تو فوراً ہمارے باہمی تعلقات بگڑ جائیں گے اور یہ امر طبعی ہے۔ خُدا کے ساتھ ہمارے رشتے کا حال بھی بعینہٖ ایسا ہے۔ ایمان کا مطلب خُدا پر اعتبار کرنا ہے اور ایمان کی عدم موجودگی بے اعتباری ہے۔ گناہ ہماری اخلاقی پاکیزگی اور صدق دلی کا نقص ہو جاتا ہے عمل بد فی ذاتہٖ کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ وُہ محض ہماری قلبی حالت کا اظہار ہے۔ دروغ گوئی کوئی ذاتی عمل نہیں بلکہ ہماری رُوح کے نقص یا بد اخلاقی کا نشان ہے۔ اگر کسی شخص کا خون مرض میں مبتلا ہو کہ جراثیم پائے جاتے ہوں تو خون کا فساد اُس کے چہرے یا جسم کے کسی ایسے حصہ پر پھوڑے یا زخم کی صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پس جب کوئی پھوڑا نکلتا ہے وُہ فقط ایک زخم ہوتا ہے لیکن وُہ زخم ہی اُس کے فاسد خون کا اعلان کرتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اگر ہمارے اخلاق بد ہوں تو ہماری دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں۔ اگر لوگوں کے ساتھ ہمارے تعلقات خُدا کے اخلاقی اصولوں کے مطابق نہیں اور بدعنوانیوں پر قائم ہیں تو ہماری دعائیں اور ہماری عبادت بھی ہمارے کامل ایمان کا اظہار نہیں کر سکتیں۔ اگر لوگوں کے ساتھ ہمارے تعلقات میں صدق دلی اور دیانتداری کی کمی ہو تو پھر ہمارا اصطباغ یافتہ یا مختون ہونا ہمارے ایمان کی بنیاد نہیں ٹھہر سکتا۔ اس صورت میں مذہبی ظاہرداری تشریحی ہو گا اور

ایمان فقط دینی رسمیات سے زیادہ نہ ہوگا۔ خُدا ہم سے یہ طلب کرتا ہے کہ ہم اُس پر بھروسہ کریں اور ایمان داری سے اُس کے اصولوں کی پابندی کریں اور ایسی پاکیزہ زندگی بسر کریں جو باطنی اور دلی پاکیزگی اور دیانتداری کی زندگی ہو۔ خُدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنا۔ خُدا کی قربت کو حاصل کرنا اور اُس پر ایمان رکھنا اسی طرح ممکن ہیں۔ ورنہ آج ثابت قدم ہونا کل گمراہ ہونا۔ ایک گھڑی نیک اور دوسری گھڑی برا اخلاق ہونا خُدا کو منظور نہیں۔

ان معانی میں ایمان زیادہ تر خُدا تعالیٰ کی اخلاقی صفات کے اعتراف پر مبنی ہے کہ اُس کی عظمت اور اُس کی وحدت کے یقین پر۔ نیک اخلاق اپنی حیثیت کے مطابق عمل کرتا نہیں۔ بلکہ نیک اخلاق کی اصلیت اور حقیقت اخلاقی اصول سے تعلق رکھا کرتی ہے جس سے قبولیت ہوتی ہے۔ خُدا کی ذات پاک ہے حکمت اور قدرت موجود ہے۔ وہ قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ لیکن خُدا کی وہ صفات جو ہم کو اپنی جانب کھینچتی ہیں اور ہم کو ایمان لانے کی دعوت دیتی ہیں اُس کی اخلاقی صفات ہیں۔ خُدا نیک اور سچا ہے اور اُس میں کوئی بدی نہیں۔ خُدا ایسا نہیں جو ایک دن بدی کرے اور دوسرے دن نیکی بلکہ وہ ہمیشہ نیکی کرتا ہے اور نیکی ہی اُس کی خصوصیت لاتبدیل ہیں۔ خُدا کی ذات ایسی نہیں جو آج ایک ہو اور کل دوسرا۔ خُدا کے فرمان ہمیشہ صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور خُدا کی صداقت دائمی ہے۔

خُدا کبھی ناراستی۔ ریاکاری۔ فریب۔ ظلم۔ حسد۔ اور کینہ کی حمایت نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص سائنس اور دیگر علوم سے واقفیت بھی رکھتا ہو یا اپنے زمانے کا یگانہ روزگار ہو لیکن اُس کے اخلاق میں شرافت نہیں تو ہم



اُس کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم نہیں کر سکتے۔ پھر اگر وہ شخص عقل سلیم اور تمیز کر پانے رکھتا ہو جس سے وہ اپنے اقتدار کا صحیح استعمال کر سکے تو ہم اُس کو کبھی قابلِ اعتبار نہ سمجھیں گے۔

خُدا پر بھی یہی بات عائد ہوتی ہے۔ خُدا نیکی اور پاکیزگی کا مجسم ہے اور اسی وجہ سے اُس پر کامل بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر خُدا بھی قدیم دیوی دیوتاؤں کی مانند ہوتا جو قادر اور ظالم تھے لیکن اخلاقی اصول سے بالکل بے بہرہ تو پھر اُس پر بھروسہ کرنا خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ ایسی حالت میں ہم اپنے خُدا کی تعظیم و ثنا تو شاید کر لیتے لیکن اپنی زندگیوں کو اُس کے سپرد نہ کر سکتے۔ شاید ہم اُس سے خوف زدہ ہوتے اور اپنے خوف کے باعث اُس کی اطاعت بھی کرتے لیکن ہم ایسے خُدا سے محبت نہ رکھ سکتے۔ اس کی بہترین مثال ہم خانگی زندگی میں پاتے ہیں جہاں خاندان کے باہمی تعلقات شراکت کے باہمی اعتبار کے اصول پر ہوتے ہیں۔ شوہر اور بیوی اور باپ اور بیٹا صرف اسی لئے خوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں۔ شاید خاندان کے سربراہ سردار کا اختیار [illegible] کی نسبت زیادہ ہو۔ لیکن خاندان کا اصل اصول اُس اعتبار و الفت میں مخفی ہوتا ہے۔ جو باپ کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے [illegible] بچوں کے دلوں میں [illegible] وہ [illegible] اپنی جانب [illegible] کرتا ہے [illegible] اطاعت کرتے ہیں [illegible] یہ خوف [illegible] خوف فقط غلاموں سے متعلق ہے۔ کیونکہ صرف غلام ہی اپنے آقا سے خوف زدہ ہوتے ہیں اور فقط غلام ہی خوف کے باعث اپنے آقا کی فرمانبرداری کرتے ہیں جس حال کہ خاندان میں اطاعت کی بنیاد ہمیشہ اعتبار اور بھروسہ رہتے ہے۔

دُنیا خُدا کا مسکن ہے اور بنی نوع انسان خُدا کے فرزند ہیں۔ منظم کے شرکاء خُدا ہر ایک انسان سے اطاعت طلب کرتا ہے۔ اس لئے کہ وُہ ہر ایک کی بہتری و بہبودی کا خواہاں ہے اور ہر فردِ بشر سے محبت رکھتا ہے۔ اگر وقتاً فوقتاً خُدا ہم پر سختی کرتا ہے تو وُہ یقیناً اس لئے ایسا کرتا ہے کہ وُہ ہماری بھلائی چاہتا اور ہم سے محبت رکھتا ہے۔ خُدا کی اُس محبت سے انکار کرنا جو اُس کے تمام بندوں پر محیط ہے عین بے اعتقادی ہے۔ گناہ کرنا خُدا پر اعتماد نہ کرنا ہے۔ دروغگوئی خُدا کی صفات سے مُنکر ہونا ہے۔ خُدا سب سے زیادہ ہم سے ایمان طلب کرتا ہے یعنی وُہ چاہتا ہے کہ ہم قلبی طور پر اپنے آپ کو اُس کے حوالہ کر دیں اور اُس پر کامل بھروسہ کریں۔ خُدا ہمیشہ ہماری مصلحت چاہتا اور ہمیشہ ہم سے محبت رکھتا ہے اس لئے ہم ہمیشہ اور ہر حالت میں اُس پر تکیہ کر سکتے ہیں۔ مذہب کا اساسی اصول یہی ہے۔

یسُوع کی زندگی اور اُس کی تعلیم میں ہم اہم حقیقی اور بُنیادی ایمان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مسیح کے زمانہ میں لوگ ظاہری مذہب کی پابندی میں مشغول تھے۔ اور اُن کے نزدیک مذہب محض رسوم اور بے معنی قواعد کا مجموعہ اور ایمان خُدا کی ہستی کا اقرار تھا۔ اُن کے مذہب اور اُن کے اعتقاد میں اخلاق کا عنصر مطلقاً شامل نہ تھا۔ وُہ عبادت گاہوں میں پرستش کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جس قدر طویل الذیل اور فصیح اُن کی دُعائیں ہونگی اُسی قدر زیادہ وُہ خُدا کے نزدیک مقبولیت حاصل کرینگے۔ لیکن مسیح نے اس کے خلاف یہ تعلیم دی کہ دُعاؤں کی قدر و



وقعت اُن کی طوالت اور فصاحت پر منحصر نہیں بلکہ اُن کے اخلاص اور اُن کی صداقت پر موقوف ہے۔ اُس نے یہ تعلیم دی کہ "جب تو دُعا مانگے تو اپنی کوٹھری میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دُعا مانگ"۔ (متی ۶: ۶)

دیگر مذاہب کی مانند اُس زمانہ میں بھی لوگ بہت کچھ خیرات کے طور پر دیتے تھے لیکن اس سے اُن کا مقصد فقط ظاہرداری تھا۔ وُہ خُدا کا نہیں بلکہ انسان کا خیال کرتے تھے۔ اِس وجہ سے یسُوع نے اُس زمانہ کی خیرات کے برخلاف یُوں فرمایا "جب تو خیرات کرے تو جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے"۔ خیرات کے متعلق مسیح کے ان الفاظ سے کیسا سنجیدہ اور بُنیادی اُصول ظاہر ہوتا ہے۔ بے شمار لوگ خیرات دیتے ہیں اور بعض مرتبہ گراں قدر رقمیں اس طور پر دے دیتے ہیں۔ لیکن اکثر اوقات اس سے اُن کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان نیک نامی اور شہرت حاصل کریں لیکن ایسے اعمالِ نیک خُدا کی نظر میں مقبول نہیں ٹھہرتے۔

اُس صدی میں جس میں یسُوع مسیح اس دُنیا میں موجود تھا اہلِ یہود اِس امر پر اصرار کرتے تھے کہ اُن کا ابراہیم کی نسل سے ہونا ہی اُن کے ایمان کی بنیاد ہے اور اِس طریق سے وُہ زندگی اور اخلاق پر تکیہ کرنے کے عوض اپنے جدِ امجد کی بزرگی اور عظمت پر بھروسہ کرتے تھے۔ لیکن مسیح نے یہ تعلیم دی کہ ایمان ابراہیم کی اولاد ہونے کے باعث حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ابراہیم کی مانند پاک زندگی بسر کرنے اور اُس کی مانند اپنی تمام زندگی کو خُدا کے ہاتھ میں سپرد کر دینے سے۔ آدمی فقط نبی کی اولاد میں سے ہونے کے سبب سے

ایماندار نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اپنی چال و گفتار اور اپنے اخلاق میں دیانتدار ہونے اور پاک و صاف دل رکھنے کے سبب سے۔

پھر اُن دنوں میں لوگ زیادہ تر مذہبی رسُوم کی طرف متوجہ تھے لیکن اُن کے اصل معانی کی اہمیت سے بالکل ناواقف تھے۔ برعکس اس کے مسیح نے یہ سکھایا کہ ظاہری صفائی کی نسبت اندرونی صفائی کی زیادہ ضرورت ہے اور جب تک انسان کا دل نجس اور ناپاک رہتا ہے وُہ محض نجس دنیا پاک اشیاء کے کھانے سے پاک نہیں ٹھہر سکتا۔ مذہب کی اصلیت و ماہیت کی نسبت یہ کیا عمدہ اور نفیس خیال ہے۔ ظاہری رسُوم ہر ایک گروہ اور جماعت کے لئے مفید ہیں لیکن یہ خیال کہ رُوح کی تمام نجاست ظاہری رسُوم کے ذریعہ سے رفع ہو سکتی ہے مذہب کے اصل مفہوم کے خلاف ہے۔ یہ لازم ہے کہ ہمارا دل پاک ہو اور ہماری رُوح ہر قسم کے کینہ حسد تکبر اور نفسانی خواہشات سے مبرّا ہو۔ خُدا پر ایمان لانا اس طریق سے پُرتاثیر ہو سکتا ہے۔ وُہ شخص جو فی الحقیقت خُدا کی ہستی پر ایمان رکھتا ہے نہ تو اپنے دل میں بدی کو جگہ دے سکتا ہے اور نہ ہی وُہ اپنے ہمسایہ پر ظلم و ستم روا رکھ سکتا ہے۔ ہمارے دل کی بدی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم خُدا کی ذات کا انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو فریب دینا اور اپنے ہمسایہ پر ظلم روا رکھنا ذاتِ خُدا کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہیں۔ اور یہی انکارِ خُدا ہے۔ وہ دل جو خُدا کے جلال سے منوّر ہوتا ہے اُس میں ظلمت اور بدی کا دخل نہیں۔ خُدا پر ایمان اور ظلم و کینہ باہم بودوباش نہیں کر سکتے۔ کیا تلخ اور شیریں پانی ایک ہی چشمہ سے نکل سکتے ہیں؟

مسیح نے اپنی تعلیم میں ریاکاری پر سب سے زیادہ حملہ کیا۔ اُس زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ریاکارانہ سلوک کرنے کے اس قدر عادی ہو گئے



تھے کہ اُنہوں نے خُدا کے ساتھ بھی اسی سلوک کو روا رکھنے کو بُرا نہ سمجھا۔ اُن کے کلام میں باہم اختلاف تھا اور اُن کے اعمال اُن کے کلام کے مطابق نہ تھے۔ وُہ اپنی زبان سے تو یہ کہتے تھے کہ وُہ خُدا پر ایمان لاتے اور اُس کی عبادت کرتے ہیں لیکن اُن کے اعمال خُدا کا انکار کرتے تھے۔ کیا یہ یقیناً مذہبی ریاکاری نہیں ہے؟ مسیح نے زیادہ تر اسی مذہبی ریاکاری کے خلاف تعلیم دی اور خُدا کے متعلق سنجیدہ دلی اور خلوص نیتی کی تاکید کی ہے۔ اُس نے ہم کو یہ بتایا کہ ہمارے اور خُدا کے مابین وُہی صدق دلی اور بھروسہ اور توکل ہونا چاہیئے جو باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتا ہے۔ انجیل جلیل میں لفظ باپ جو خُدا کے لئے استعمال کیا گیا ہے یہی معنی رکھتا ہے۔

مسیح کے نزدیک ایمان کا یہی مفہوم تھا۔ اُس نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ سے اسی کی تعلیم دی۔ اس زاویۂ نظر سے مسیح کی زندگی حقیقی ایمان کا نمونہ ہے۔ ایمان کے نقطۂ نگاہ سے مسیح کی زندگی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔ اُس کے معجزوں نے بیشمار لوگوں کو حیران و ششدر کر دیا۔ لیکن مسیح کی زندگی کی سب سے اہم ترین بات خُدا پر اُس کا ایمان اور اُس کے عُمدہ اخلاق ہیں جو اُس کے ایمان کا نتیجہ ہیں۔ مسیح کی شخصیت بذاتِ خود سب سے بڑا معجزہ ہے۔ مسیح کی ہستی ایک ایسی ہستی تھی جو ایک افضل اور اعلیٰ ترین مقصد کے درپے تھی۔ ہر ایک شخص کو جو کسی بلند و بالا تصوّر کی پیروی کرتا ہے مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ جتنا زیادہ بلند و برتر تصوّر ہوگا اُتنی ہی زیادہ دُشوار اُس کی پیروی ہوگی۔ اور اسی وجہ سے مسیح کو اپنے الٰہی مقصد کی پیروی کرنے میں بیشمار مشکلات برداشت کرنی پڑیں۔ اکثر لوگ ابتدا تو کسی نہ کسی اعلیٰ تصوّر سے کرتے ہیں لیکن جب مشکلات ایک حد سے گذر جاتی ہیں تو وُہ بھی کسی حد تک تصوّر کے طریق سے عدول کر جاتے ہیں۔ مسیح کی زندگی میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خواہ اُس کی زندگی میں

کتنی ہی مشکلات کیوں نہ آئیں لیکن تو بھی وہ اپنے مقصد اور طریقِ اخلاق سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ سرکا۔ ہر حالت اور مشکل سے مشکل وقت میں بھی وہ ہمیشہ اپنے الٰہی اُصول کی پابندی اور اپنے مقصد کی پیروی میں ایماندار رہا۔ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کی خاطر بھی اپنے اُصولوں کو ترک کر دینے کا خیال تک بھی اُس کے ذہن میں نہ آیا اور عارضی طور پر بھی وہ ایک لمحہ کے لئے حق سے ہرگز نہ ٹلا۔ مسیح نے ایک اعلیٰ مقصد اختیار کیا تھا اور آخر تک وہ اُس کی پیروی کرنے میں ایماندار رہا۔ ایک مرتبہ لوگ اُس کے معجزوں کو دیکھ کر اِس قدر اُس کے دلدادہ ہو گئے کہ اُسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن مسیح فوراً اُن کے درمیان سے غائب ہو گیا کیونکہ وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ لوگوں پر شان و شوکت سے حکومت کرے بلکہ اُس کی یہ خواہش تھی کہ اُن کے درمیان انسان بن کر رہے اور ہر ایک جماعت اور گروہ کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرے۔ مسیح دُنیا میں اس لئے آیا تھا کہ انسان کی خدمت کرے نہ اس لئے کہ وہ اُن پر حکومت کرے۔ وہ جبراً لوگوں کی اصلاح نہ کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ برعکس اِس کے اُس کی یہ تمنا تھی کہ اپنی محبت اور اپنی جود و بخشش کے ذریعہ لوگوں کے دِلوں پر قبضہ کرے اور اس لئے وہ بادشاہ نہ بننا چاہتا تھا۔ وہ لوگوں کے درمیان انسان بن کر رہنا چاہتا تھا تاکہ وہ گنہگاروں کا نجات دہندہ اور شکستہ دِلوں کا دوست ہو۔ اس میں اُس کو اِس قدر کامیابی ہوئی کہ وہ "محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست" کہلایا۔ حالانکہ دُنیوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا اور دولت و ثروت کا مالک بننا اور شہرۂ آفاق ہو جانا اُن کے لئے ناممکن نہ تھا لیکن اُس نے اس کی جانب مطلق توجہ نہ دی۔ اُس نے اپنے دشمنوں پر ظلم نہ کیا اور نہ ہی اُنہیں دھمکایا۔ اُس کی عظیم ترین طاقت



راستی اور صداقت بھی یہیں موجود تھی۔ وہ سب سے زیادہ خدا پر تکیہ کرتا تھا۔ اُس کی زندگی اور اُس کی تمام خدمت کا دار و مدار اسی ایمان اور اعتقاد پر تھا۔ مسیح کی زندگی توکل بر خدا کی بہترین تفسیر تھی۔ دیگر اشخاص زبان سے تو خدا کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اُس کا انکار کرتے ہیں لیکن برعکس اِس کے مسیح نے اپنی تمام زندگی خدا کے سپرد کر دی یہاں تک کہ اُس نے فقط خدا ہی پر بھروسہ اور تکیہ کیا۔ اِس امر کا سب سے بیّن ثبوت اُس کی موت میں پایا جاتا ہے۔ اُس کی موت اُس کے خدا پر ایمان رکھنے کا ایک زندہ ثبوت تھی۔ اور وہ حق کے لئے ایماندار رہنے کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔ مسیح ہمیشہ حق سے محبت رکھتا اور حق کے تابع رہتا تھا یہاں تک کہ آخرکار اُس نے حق کی خاطر اپنی جان بھی دے دی۔ وہ راہِ حق سے گریز کر کے اپنے دشمنوں کے ساتھ باہمی صلح کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنا شکست کھانا اور اپنے آپ کو اُن کے ہاتھ فروخت کر دینا ہوتا۔ وہ جبر و تعدی سے کام نہ لے سکتا تھا کیونکہ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دینے آیا تھا کہ وہ باہم محبت رکھیں۔ بلکہ خود اُن کے درمیان محبت اور اخلاص کا نمونہ پیش کرنے آیا تھا۔ وہ سزا دینے۔ ہلاک کرنے اور کشت و خون کرنے نہ آیا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ زندگی بخشے۔ تو پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ایسا شخص اپنے دشمنوں پر نارِ غضب نازل کرے؟

بعض اشخاص کا یہ خیال ہے کہ مسیح کی صلیبی موت اُس کی شان کے خلاف ہے۔ لیکن در حقیقت اُس کی موت شجاعت۔ پابندیِ اُصول اور اپنے مقصد کی باایمان پیروی کرنے کی اعلیٰ ترین اور مقدس ترین یادگار ہے۔ مسیح کی اصل بزرگی اور عظمت صلیب پر ظاہر ہوتی ہے جو اُس کے ایمان کا

بہترین ثبوت ہے۔

فی زمانہ بھی اُن لوگوں کو جو حق کی پیروی کرنا چاہتے ہیں بیشمار دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جونہی آپ کسی اعلیٰ مقصد اور عمدہ تصور کی پیروی کرتے اور لوگوں کے درمیان رہ کر ایمانداری سے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ہمیشہ راستی اور صدق دل سے کام لیتے ہیں فوراً ہر قسم کی مخالفت تنگدستی بلکہ بعض اوقات موت بھی آپ کا محاصرہ کر لیتی ہے۔ پس خدا پر ایمان رکھنا خطراتِ زندگی کے باوجود دلیری کے ساتھ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ خدا پر ایمان رکھنے کا مطلب راستی اور عدل و انصاف کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا ہے۔ یہی ایمان کی کسوٹی ہے۔

چاہئیے کہ خدا پر ہمارا ایمان ہمیشہ راست و خالص ہو۔

---

تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام مسٹر ڈی ماہین۔ کے۔ فضل سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انار کلی۔ لاہور چھپ کر شائع ہوئی

Printed at the Talimi Press, and published by Mr. V.S.K. Fazl, Secretary, Punjab Religious Book Society, Anarkali, Lahore.

2nd Edition 1956 1000 Copies.